سید امتیاز علی تاج
(۱۹۰۰ء۔۱۹۷۰ء)

قُرطُبہ کا قاضی[1]

افراد

قاضی	:	یحییٰ بن منصور
زبیر	:	قاضی کا فرزند
حلاوہ	:	زبیر کی دایہ
عبداللہ	:	ایک خانہ زاد

ناظر عدالت کے چار افسر

ہجوم کی آواز

منظر

غرناطہ میں قاضی یحییٰ بن منصور کے مکان کا ایک ایوان جس کے دریچوں میں سے شہر کے چوک پر نظر پڑ سکتی ہے۔ دائیں ہاتھ کی دیوار میں ایک بڑا سا دریچہ، سامنے کی دیوار میں ایک چوڑا مگر نیچا دروازہ، جس کے پیچھے ایک تنگ اور اندھیری گلی ہے۔ گلی کے دوسری طرف ایک چھوٹا دروازہ، جس میں سلاخیں لگی ہیں۔ بائیں ہاتھ پتھروں کا بنا ہوا زینہ، اوپر کے کمرے کے دروازے تک پہنچا ہے۔ اوپر کے کمرے کی کھڑکی ایوان میں کھلتی ہے۔

ایوان میں ایک بڑی میز ہے جس پر ایک شمعدان رکھا ہے۔ میز کے قریب ایک بنچ اور چند کرسیاں پڑی ہیں۔ دیواروں پر اسلحہ اور جانوروں کے سر لگے ہیں۔

صبح کے دھندلکے میں حلاوہ بنچ پر بیٹھی ہے۔ سر گھٹنوں سے لگا رکھا ہے۔ عبداللہ دروازے میں سے اندر آتا ہے۔

عبداللہ: (بھاری آواز میں) شمعیں گل کر دوں؟

حلاوہ: (آہِ سرد کے ساتھ) کر دے، شمعیں صبح کے آنے کو روک نہیں سکتیں۔

(عبداللہ پھونکیں مار کر شمع دان کی تین شمعیں گل کرتا ہے۔)

حلاوہ: کیسی کالی صبح! میرے رب! کیسی کالی صبح!

---

[1] ''قرطبہ کا قاضی'' انگریز ڈراما نویس لارنس ہاؤس مین کی ایک ایکٹ کی بہت کامیاب ٹریجڈی ہے جس کی ہر ہر سطر میں قوت اور الم موجود ہے۔ امتیاز علی تاج نے اس ڈرامے کو اس خوبی سے سرزمینِ اندلس کا واقعہ بنا دیا ہے کہ گمان بھی نہیں گزرتا کہ یہ انگریزی کے ایک ڈرامے سے اخذ و ترجمہ ہے۔

عبداللہ: کالی اندھوں کے لیے، ان بدفالوں کے لیے جو گھٹنوں پر سر رکھے نحس کلمے منہ سے نکالتے ہیں، پر رب العالمین کے فضل و کرم سے ابھی آنکھوں والے بھی موجود ہیں۔ تیری طرح سب اندھے نہیں ہو گئے۔

حلاوہ: (اس کی پروا نہیں کرتی) یہ صبح دیکھنے کو میں زندہ کیوں رہ گئی...... اور میرے رب! آج کا دن تمام ہونے پر میرا لال کیا ہوگا؟

عبداللہ: زندہ ہوگا اور کیا ہوگا؟ عمر پائے گا اور رب العالمین کے فضل و کرم سے تجھے اور مجھے، ہم دونوں کو قبر کے شگاف میں اتارے گا۔

(تکان کی ایک آہ کے ساتھ بیٹھ جاتا ہے)

حلاوہ: اس کے جسم میں خون جو اپنا تھا اور پروردگار! آج سولی پر اس کی لاش لٹکتی رہ جائے گی۔

عبداللہ: (بے قابو ہو کر) نشترِ زبان! یہ ہرگز نہ ہوگا۔

(گھٹنے سے سر اٹھا کر آہ بھرتی ہے) اب چارہ کیا رہ گیا؟

عبداللہ: سارے قرطبہ میں ایک شخص نہیں جو کسی کے حکم سے بھی اسے سولی پر چڑھائے۔ خواہ اس کے اپنے باپ کا فتویٰ ہو۔

حلاوہ: باپ قاضی ہے۔

عبداللہ: کہا جو کہ اس کے فتوے پر عمل نہ ہوگا۔

حلاوہ: باہر سے لوگ بلا لیے جائیں گے جو اسے ویسے نہیں جانتے جس طرح ہم سب جانتے ہیں۔ انھیں قانون جو کہے گا وہ کر ڈالیں گے۔

عبداللہ: (چڑ کر) میں بک جو رہا ہوں، نہیں کریں گے، آج کے دن صرف شہر میں وہی شخص داخل ہونے پائے گا، جو کلام پاک کی قسم کھائے گا کہ اسے نوجوان زبیر کی سزا سے کچھ سروکار نہ ہوگا۔ سمجھی، کوڑھ مغز! ہمارے آدمی تمام راستوں پر پھیل چکے، ایک ایک ناکے کو روک چکے۔ جس شخص نے قسم نہ کھائی کہ زبیر کا خون اس کے دوش پر نہ ہوگا، وہ اندر نہ گھسنے پائے گا اور یہی جواب قاضی کے حکم پر خود اس کو دیا جائے گا۔ وہ قانون کا غلام ہو یا سلطان کا۔ آج کے دن اس کے فتوے کی تعمیل نہ ہونے پائے گی۔

حلاوہ: لیکن احمق! ہونی کو کون روک سکتا ہے؟ میری یہی آنکھیں نہیں جنھیں آنسوؤں نے بے نور کر دیا۔ میری اور آنکھیں ہیں جو دیکھ سکتی ہیں اور جو دیکھ چکی ہیں۔ سولی اور اس سے لٹکتی ہوئی لاش! میرا ننھا! میری جان ننھا! میرا سجیلا نوجوان! جس کا جسم میرے دودھ نے بنایا، جس کے خون اور ہڈیوں میں میرا دودھ ہے۔ میں اسے مردہ

دیکھ چکی، کہتی جو ہوں کہ یونہی ہوگا۔ سچ نہ ہوتا تو یہ بات میری زبان سے نکلتی؟

عبداللہ: لیکن اسے سولی کی سزا ملے کیوں؟ اس کا جرم کیا ہے؟

حلاوہ: میرے بتانے کی ضرورت ہے کہ اس نے خون کیا ہے؟

عبداللہ: ہاں! مگر محبت کی خاطر! اپنی غیرت کی خاطر! اس کے لیے اس کے سوا چارہ نہ تھا۔ کون کہتا ہے یہ خون ناجائز تھا؟

حلاوہ: نہیں نہیں، اس نے خون جلن کے مارے کیا ہے۔

عبداللہ: محبت جلن نہیں تو پھر ہے کیا؟

حلاوہ: مقتول نے اسے آزار نہ پہنچایا تھا۔

عبداللہ: مقتول کو اس کی محبوبہ سے محبت جو تھی۔

حلاوہ: خوب صورت عورت سے کس کو محبت نہیں ہوتی؟

عبداللہ: لیکن محبوبہ نے مقتول کو محبت بھرا خط بھی تو لکھا تھا۔

حلاوہ: محبوبہ کو اس کا حق تھا۔ وہ زبیر کی منگیتر نہ تھی۔ جسے چاہتی پسند کرنے کا حق رکھتی تھی۔

عبداللہ: صرف اپنوں میں سے، اپنے ہم نسبوں میں سے۔ مقتول پرایا تھا اور دوسرے ملک کا باشندہ تھا۔

حلاوہ: زبیر کے باپ قاضی کا مہمان تھا۔

عبداللہ: اور شرافت کا یہ کون سا طور تھا کہ گھر کے نوجوان کی محبت میں کود پڑے؟ اگر وہ نہ آتا اور اپنی چکنی چپڑی باتوں سے ورغلا نہ لیتا تو زبیر اپنی محبت میں کامیاب نہ ہوتا؟

حلاوہ: شاید اللہ بہتر جانتا ہے۔ پر لڑکی نے اس وقت تک ہاں نہ کی تھی۔

عبداللہ: اس بات کا تو زبیر کو خدشہ تھا کہ کہیں وہ اس کے رقیب کا کام برابر کی لڑائی میں تمام نہ کردے۔

حلاوہ: زبیر نے یہ کہا نہیں۔ ایک بار بھی نہیں کہا۔ وہ یہ کہتا تو اس کا باپ باور کر لیتا۔ پر ان باتوں سے کیا؟ ارے جمی! اب ان باتوں سے کیا؟ اس نے خون کیا ہے اور خون کی سزا میں اسے دار پر لٹکایا جائے گا۔

عبداللہ: (چڑ کر) اور اسے دار پر لٹکانے تُو جائے گی!

حلاوہ: (ششدر ہو کر) میں؟

عبداللہ: تو نہ ہو تو اس بھرے شہر میں اور کوئی نہیں جو اپنے ہاتھ اس کے خون سے آلودہ کرے۔ (اٹھ کر دریچے کی طرف جاتا ہے) باہر دیکھ، اس ہجوم کو دیکھ! جس نے چوک میں سولی کو گھیر رکھا ہے (حلاوہ اٹھ کر کھڑکی کی طرف جاتی

ہے) یہ سب کس کے منتظر ہیں؟

حلاوہ: (جیسے سب کچھ جانتی ہے) بتا تو کس بات کے؟

عبداللہ: سمجھتی ہے یہ سولی کا تماشا دیکھنے کو کھڑے ہوئے ہیں۔ یہ اس لیے کھڑے ہیں کہ یہ ناپاک کام نہ خود کریں گے اور نہ ہونے دیں گے۔ (ایک سیڑھی چڑھ کر کھڑکی کے پٹ کھول دیتا ہے) لوگو سنو! تم میں سے کون ہے جو قاضی یحییٰ کے لیے اس کے بیٹے کو سولی پر لٹکا دے؟

(ہجوم میں سے ناراضی کی مخلوط آوازیں سنائی دیتی ہیں)

کیوں؟ بولا کوئی شخص؟ کہا کسی نے کہ وہ زبیر کو سولی پر لٹکا سکتا ہے؟ کہا جو، کہ سارے قرطبہ میں ایک شخص کا ہاتھ نہیں جو اسے آزار پہنچانے کے لیے اٹھ سکے۔

(قاضی یحییٰ بن منصور اوپر کی منزل کی کھڑکی کے سامنے سے گزرتا ہوا رکتا ہے۔ ذرا دیر بے حس و حرکت یوں کھڑا رہتا ہے گویا کچھ نہیں دیکھ سکتا ہے)

چپ کیوں ہوگئی؟ بول اب بول نا! کون زندہ شخص ہے جو ان جان نثاروں کی آنکھوں کے سامنے سلطان کے حکم کی تعمیل کی جرأت کر سکے؟

(قاضی کھڑکی سے دروازے کی طرف بڑھتا ہے اور دروازہ کھولتا ہے)

حلاوہ: چپ! دیکھ قاضی! قاضی! وہ سیڑھیاں اتر رہا ہے۔ وہ ادھر ہی آ رہا ہے۔

عبداللہ: (آہستہ سے) آنے دے۔

حلاوہ: لاش کی طرح۔

عبداللہ: چپ۔

حلاوہ: آنکھوں میں سے زندگی بجھی ہوئی۔

عبداللہ: چپ۔

حلاوہ: جیسے تنہائی میں موت سے کھیلتا رہا ہے۔

عبداللہ: بک مت۔

حلاوہ: جیسے روح لاش کو چھوڑ کر آ رہی ہو۔

عبداللہ: عورت! گونگی ہو جا!

(قاضی سیڑھیاں اتر کر کمرے میں آ جاتا ہے اور کچھ دیر خاموش کھڑا رہتا ہے)

قاضی: (بھاری آواز میں) موت کا ڈھنڈورا کیوں نہیں پٹ رہا؟ (حلاوہ کے منہ سے سسکی نکل جاتی ہے، عبد اللہ چپ ہے) میں نے کیا کہا؟ جواب دو۔

عبد اللہ: حضور ڈھنڈورا پیٹنے والا نہیں۔

قاضی: کہاں گئے؟

عبد اللہ: حضور مجھے علم نہیں۔ یہاں نہیں ہیں۔

قاضی: وہ کہاں ہے؟ وہ شخص جسے مجرم کو پھانسی دینا ہے؟

عبد اللہ: حضور کہیں گیا ہوا ہے۔

قاضی: کہیں؟ تُو نے کیا کہا کہیں؟

عبد اللہ: حضور!

قاضی: معنی کیا، کہیں؟

عبد اللہ: چلا گیا تھا۔ اندھیرے منہ ہی، کہہ کر نہیں گیا کہاں جا رہا ہے۔ یہاں نہیں ہے۔

قاضی: ادھر باہر کون ہے...... اور کون ہے؟

عبد اللہ: حضور ایسا کوئی بھی نہیں جو آپ کے فتوے کی تعمیل کر سکے۔ ویسے میرے سوا قرطبہ کے سارے مرد گھر کے باہر کھڑے ہیں۔

قاضی: (جلدی سے جیسے یقین نہیں آتا) قرطبہ کے سارے مرد تیرے سوا؟ یہ معنی کہ تعمیل کے لیے تو آمادہ ہے؟

عبد اللہ: نہیں حضور! میں تعمیل نہیں کر سکتا، نہ کوئی اور شخص جسے میں جانتا ہوں، کر سکتا ہے۔ اگر حضور کو اس فتوے کی تعمیل کرانی ہے تو ابلیس ہی اس کی تعمیل کر سکتا ہے یا آپ خود۔

(قاضی نے پوری بات نہیں سنی لیکن حلاوہ نے سن لی ہے، اس کے منہ سے خوف کی دبی ہوئی آواز نکل جاتی ہے)

قاضی: کیا؟ کیا کہا تھا تُو نے؟

عبد اللہ: (مرعوب ہو جاتا ہے) معاف کیجیے گا حضور! میں صرف اپنے متعلق کہہ رہا تھا۔ رب العالمین میرا مددگار رہو۔ میں جو بات حق سمجھتا ہوں کہہ رہا تھا۔

(خاموشی، نہ کوئی حرکت کرتا نہ بولتا ہے، باہر کے ہجوم میں سے ہلکے ہلکے بولنے کی مدھم آواز آ رہی ہے)

قاضی: ناظر عدالت کے آدمی کہاں ہیں؟

عبداللہ: نچلی منزل میں حضور!

قاضی: انھیں یہاں بلا لاؤ۔

(عبد اللہ جاتا ہے۔ قاضی اضطرار میں دو قدم چل کر رک جاتا ہے، حلاوہ سہمی ہوئی کھڑی، بے حد ہمت سے کام لے کر بولتی ہے)

حلاوہ: میں حضور سے پوچھ سکتی ہوں؟

قاضی: کیا ہے عورت؟

حلاوہ: میری بوڑھی زبان سے اللہ تعالیٰ کا عفو ورحم کئی بار بولا لیکن ہر بار اس نے سننے والے کانوں کو بہرہ پایا۔ پر اب کی بار میری التجا سن لیجیے یا مجھے ہمیشہ کے لیے خاموش کر دیجیے۔ میرے حضور! یہ وہ بدنصیب بول رہی ہے جس نے مجرم کی ماں کے اٹھ جانے کے بعد اپنی اولاد کی طرح اسے کلیجے سے لگایا۔ میرے حضور! خود آپ نے اسے مجھے دے ڈالا تھا۔ میں تھی جس نے اسے زندگی دی اور توانائی بخشی کہ وہ بڑھ کر مرد بن جائے۔ میرے حضور! کیا آپ ہی مجھ سے وہ زندگی چھین لیں گے؟ اسے، جسے تب میں نے زندگی بخشی تھی۔ اب وہ جوان ہے۔ آپ کا گوشت اور خون ہے۔ اسے زندہ نہیں رہنا تھا تو یہ سب میں نے کیا کیوں تھا؟ فریاد سننے والا باپ ہے، تو پروردگار! اولاد کے لیے التجا میں کیوں کر رہی ہوں؟ وہ آپ کا ہے۔ میرا نہیں۔ اسے آپ نے پیدا کیا، میں نے نہیں۔ ایک اور عورت اسے جننے میں اس جہاں سے گزر گئی تھی۔

قاضی: بس اور کچھ نہیں۔ تجھے جو کچھ کہنا تھا تو کہہ چکی۔ میں بہرا نہیں۔ (حلاوہ پھر بولنا چاہتی ہے)
یہاں سے چلی جا عورت! مجھے اکیلا چھوڑ دے۔ چلی جا!

حلاوہ: بہت اچھا حضور! بہت اچھا!
(سسکیاں روکتی ہوئی چلی جاتی ہے۔ عبداللہ داخل ہوتا ہے)

عبداللہ: حضور! ناظر عدالت کے آدمی آ گئے۔

قاضی: کیا؟ ہاں آ گئے؟ یہاں بلا لاؤ۔

(ایک کرسی کھینچ کر بیٹھ جاتا ہے۔ ناظر عدالت کے چار آدمی داخل ہوتے ہیں۔ پل بھر خاموشی) تم لوگ سلطان کے نمک خوار ہو اور اطاعتِ سلطان کا حلف اٹھا چکے ہو! یہی صورت میری ہے۔ آج ایک شخص کو سولی دی جانی تھی...... سولی دینے والا موجود نہیں۔ تم میں سے کون؟ سنتے ہو میں کیا کہہ رہا ہوں؟ اس کی جگہ تم میں سے کون لے سکتا ہے؟ (کوئی جواب نہیں ملتا) کوئی شخص آمادہ نہ ہوا تو مجھے خود کسی ایک کو حکم دینا پڑے گا...... ہوں! کوئی

نہیں؟ ......دیکھو......فرض ہم سب کو پکار رہا ہے، قانون کی اطاعت لازمی ہے۔ میں سمجھا تم میں سے کوئی ہامی نہ بھرے گا۔ بہت اچھا قرعہ اندازی سے کام لیا جائے گا۔

افسر: نہیں حضور والا! معاف کیجیے گا ان میں سے کوئی بھی قرعہ اندازی نہیں چاہتا۔ ایک بھی نہیں۔ میں سب کی طرف سے بول رہا ہوں۔

قاضی: میں تم سب کو حکم دیتا ہوں۔

افسر: حضور! اللہ تعالیٰ مجھے توفیق بخشے کہ آپ کے فرزند کو سولی پر چڑھانے سے پہلے میں خود سولی پر چڑھ جاؤں۔

قاضی: تمھیں اس بات کا خیال نہیں کرنا چاہیے کہ مجرم میرا فرزند ہے...... یہ سمجھنا ہے کہ ایک شخص نے خون کیا ہے اور اس کی سزا میں اسے سولی ملنی لازمی ہے۔

افسر: حضور! جس شخص نے اسے مجرم قرار دیا اور اس کے قتل کا فتویٰ لکھا، یہ کام وہ خود کر سکتا ہے، تو کرے، ہم زبیر کو قصوروار نہیں سمجھتے۔

(قاضی کرسی ہٹا کر اُٹھتا ہے اور آہستہ آہستہ دریچے کے قریب جاتا ہے اور اس کے پٹ کھول دیتا ہے۔ پٹ کھولنے پر ہجوم کی آوازوں کی بھنبھناہٹ سنائی دیتی ہے، جو قاضی کا چہرہ دیکھتے ہی بند ہو جاتی ہے)

قاضی: (بلند آواز سے) لوگو! ایک مجرم منتظر ہے کہ اسے سولی دی جائے اور سولی دینے والا کوئی نہیں۔ تم میں سے کوئی ہے جو یہ خدمت سرانجام دے سکے؟ (خاموشی۔ پھر استہزا کی ایسی زیرِ لب آوازیں جن سے ظاہر ہے کہ ہجوم کے لوگ قانون کی شکست سے مسرور ہیں)

عبداللہ: کوئی نہیں۔ ایک بھی نہیں؟ ایک بھی نہیں؟

قاضی: (کھڑکی بند کر دیتا ہے اور ذرا دیر چپ رہتا ہے پھر بے اختیاری کی کیفیت میں اس کی آہ نکل جاتی ہے) ناظر! جاؤ قیدی کو باہر لے جاؤ۔ کنجیاں یہ ہیں۔

(کنجیاں نکال کر میز پر پھینک دیتا ہے)

افسر: (کنجیاں اٹھا کر) باہر کہاں حضور؟

قاضی: سولی کے چبوترے پر۔ اور کہاں...... جلد...... وقت ضائع نہ ہو۔

(سپاہی جاتے ہیں)

(آہستہ سے)

عبداللہ دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت کرے اور اس کی روح کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے۔

عبداللہ: (ہیبت زدہ ہوکر منہ ہی منہ میں) ربّ العالمین! ربّ العظیم! اسے سولی دینے کو مل گیا؟...... اسے سولی دینے کو کوئی مل گیا؟

(عبداللہ باہر جاتا ہے۔ افسر سلاخوں والا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوتا ہے۔ باقی ساتھی باہر ٹھہرے رہتے ہیں۔ گلی اندھیری ہے۔ سلاخوں والے دروازے کے اندر اور زیادہ اندھیرا ہے۔ اس اندھیرے میں صرف اتنا معلوم ہو پاتا ہے کہ قیدی باہر آیا۔ افسر اس کے پیچھے گلی میں آتا ہے۔ قاضی اس طرف پیٹھ کیے ساتھ کھڑا ہے۔ قیدی سر پھیر کر اسے دیکھتا ہے۔ ناظر عدالت کے آدمی اس کے آگے اور پیچھے کھڑے ہو جاتے ہیں اور گلی کے راستے باہر لے جاتے ہیں...... رفتہ رفتہ ان کے قدموں کی آواز غائب ہو جاتی ہے۔

قاضی اب تک بت بنا کھڑا ہے۔ کوسِ رحلت بجنا شروع ہوتا ہے۔ اس کی آواز سن کر قاضی میں حرکت پیدا ہوتی ہے۔ وہ مڑتا ہے اور آہستہ آہستہ باہر چلا جاتا ہے۔

باہر قیدی کو دیکھ کر ہجوم سے تاسف کی آوازیں آتی ہیں۔ قاضی کے نمودار ہونے پر خوف و دہشت کی چیخیں سی سنائی دیتی ہیں۔ پھر سناٹا چھا جاتا ہے۔ کوسِ رحلت بجتا رہتا ہے۔

(ادھر ایوان میں حلاوہ گھبرائی ہوئی آتی ہے اور دریچے میں سے باہر جھانکتی ہے۔)

حلاوہ: لے گئے...... لے گئے۔

(کھڑکی کھول کر باہر دیکھنے لگتی ہے۔ باہر کے ہجوم کا شور غل سنائی دیتا ہے۔)

وہ آیا۔ وہ اسے لے آئے۔ میرا بچہ، میری آنکھ کا تارا، ارے دیکھو تو کیسے تن کر چل رہا ہے۔ اس کا باہر نکلا ہوا سینہ دیکھو! سانس کس بے خوفی سے آ جا رہا ہے! شاباش میرے لاڈلے شاباش! سر اٹھائے رکھ۔ تم پر ہم سب کو ناز ہے۔ تجھ پر میرے دلارے تجھ پر، جسے مر جانا ہے۔ دیکھ لو اسے دیکھ لو۔ جس کے بدن میں گرم خون لہریں مارتا تھا پر جس کے دل میں قاتل کے لہو کی ایک بوند بھی نہیں۔ ہائے پر قاتل موجود ہے۔ آستین چڑھائے کھڑا ہے۔ الٰہی! آج کا آفتاب یہ کیا دیکھ رہا ہے؟ آج کی روشنی میں یہ کیا ہو رہا ہے؟ ربّ العالمین! تو خود اپنی آنکھیں بند کر لے۔ مت دیکھ۔ بیٹے کو باپ کے ہاتھ سولی دینے کو ہیں۔ تیری دنیا میں کبھی یوں بھی ہوا تھا؟ ارے دیکھو تو! ارے دیکھو تو! میرا بچہ ہاتھ چوم رہا ہے، میرا بچہ ہاتھ اپنی آنکھوں سے لگا رہا ہے۔ اس شخص کے جو اسے سولی پر چڑھانے کو ہے۔ جلدی ارے جلدی میرے ربّ! اس کی روح کو جھٹ اپنے دامنِ رحمت میں لے لینا۔ اسے تڑپانا مت! اسے جلدی لے لے۔ اسے جلدی لے لے۔ ہا...... میرے بچے اپنا دم دے۔ اس کے لیے اور نہ تڑپ۔ مرجا۔ میری جان مرجا! مرجا!!

(کوسِ رحلت تھم جاتا ہے ہجوم میں سے گریہ و بکا کا ایک دلدوز شور اٹھتا ہے اور بتدریج گھٹ جاتا ہے)

(حلاوہ گھٹنوں کے بل گر پڑتی ہے۔ چہرہ اونچا اور آنکھیں بند کیے، منہ ہی منہ میں دعائیں مانگ رہی ہے۔ عبداللہ آتا اور اسے دیکھتا ہے اور یوں بولتا ہے گویا اس سے غرض نہیں کہ وہ سنے گی بھی یا نہیں)

عبداللہ: اب بھی دعا مانگ سکتی ہے۔ ربّ العالمین! اگر میں دعا مانگ سکتا اور میری دعا قبول ہو سکتی تو ایک موت اور ہوتی۔

(اس کے آخری الفاظ حلاوہ سن پاتی ہے۔ دعا بند کر کے آنکھیں کھولتی ہے اور اس کی طرف مڑتی ہے۔ اس وقت گلی میں قاضی کے بھاری اور آہستہ قدموں کی آواز سنائی دیتی ہے۔ حلاوہ کھڑی ہو جاتی ہے اور بے حس و حرکت مگر متوقع انداز میں کھڑی رہتی ہے۔ عبداللہ کو بھی قدموں کی آواز سنائی دیتی ہے۔ مڑ کر دیکھتا ہے اور ایک طرف ہٹ جاتا ہے۔)

عبداللہ: وہ آ رہا ہے۔ عورت دیکھ! قاتل آ رہا ہے اور اس کی روح پر کالی رات چھائی ہوئی ہے۔

(قاضی داخل ہوتا ہے۔ لڑکھڑا رہا ہے، مگر انتہائی قوتِ ارادی سے کام لے کر سنبھلنا چاہتا ہے۔ گلی میں سلاخوں والے دروازے کو دیکھ کر رک جاتا ہے۔ کھوئی ہوئی نظروں سے اسے دیکھتا ہے اور پھر ضعف کو سنبھالتا ہوا آگے بڑھتا ہے۔ ایوان میں آتا ہے، مڑتا ہے اور سیڑھیاں چڑھنے لگتا ہے۔ اوپر کے دروازے تک پہنچتا ہے۔ اندر داخل ہوتا ہے۔ اندر سے زنجیر کھلنے اور تالے میں کنجی گھومنے کی آواز آتی ہے۔ ذرا سی دیر میں اوپر کی منزل کی کھڑکی میں سے اس کا ہاتھ نکلتا ہے اور کھڑکی کو بند کر کے اندر سے مقفل کر لیتا ہے)

حلاوہ: اس نے دروازہ بند کر لیا۔ اس نے اپنے آپ کو بند کر لیا۔ یہ دروازہ اب کبھی نہ کھلے گا۔ ہم اب اسے کبھی نہ دیکھ سکیں گے۔ کبھی زندہ نہ دیکھ سکیں گے۔

(قرطبہ کا قاضی اور دوسرے یک بابی کھیل)

سوالات

ا۔ مختصر جواب دیجیے:

الف۔ حلاوہ (زبیر کی دایہ) کو زبیر کے ساتھ اس قدر لگاؤ کیوں تھا؟

ب۔ عبداللہ (خانہ زاد) نے زبیر کو پھانسی کے پھندے سے بچاؤ کے لیے کیا کیا جتن کیے؟

ج۔ زبیر نے کیا جرم کیا تھا جس کی پاداش میں اسے پھانسی کی سزا ملی؟

د۔ زبیر کو پھانسی دینے کی خدمت کے لیے قُرطبہ کا کوئی فرد بھی کیوں مُیسّر نہیں آ رہا تھا؟

ہ۔ بالآخر زبیر کو پھانسی دینے کی خدمت کس نے سرانجام دی؟

و۔ پھانسی کی سزا پر عمل درآمد کے بعد قاضی (یحییٰ بن منصور) نے اپنے کمرے کا دروازہ کیوں مقفل کر لیا؟

۲۔ درج ذیل محاورات کا مفہوم واضح کیجیے:

کام تمام کرنا، دن تمام ہونا، خون دوش پر ہونا، ہاتھ خون سے آلودہ کرنا،
موت سے کھیلنا، بت بنا کھڑا ہونا، سناٹا چھا جانا، آستین چڑھانا۔

۳۔ درج ذیل حروف کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:

ورنہ، چاہے، خواہ، جبکہ، اگر، مگر، کیونکہ، اگرچہ، لیکن، چونکہ، اس لیے کہ

۴۔ اس ڈرامے کے سب سے اہم کردار کا تجزیہ کیجیے۔

۵۔ سبق کے متن کو پیشِ نظر رکھ کر خالی جگہیں پُر کیجیے۔

الف۔ سارے -------- میں ایک شخص نہیں جو کسی کے حکم سے بھی اسے سولی چڑھائے۔

(ملک، شہر، قرطبہ)

ب۔ انھیں ------- جو کہے گا، وہ کر ڈالیں گے۔

(حاکم، قاضی، قانون)

ج۔ آج کے دن اس کے ------- کی تعمیل نہ ہونے پائے گی۔

(فرمان، فتوے، کہے)

د۔ ہجوم میں سے --------- کا ایک دلدوز شور اٹھتا ہے۔

(دیوانہ وار ہنسی، گریہ و بُکا، چیخوں)

ہ۔ الٰہی! آج کا --------- یہ کیا دیکھ رہا ہے۔

(آفتاب، آسمان، زمانہ)

۶۔ اس ڈرامے کا خلاصہ اپنے الفاظ میں بیان کیجیے۔

☆☆☆☆☆